کچھ دیر ٹھہر اے دل
سعد اللہ شاہ

فہرست

سعداللہ شاہ

پیدائش (۱۹۵۸ء)

سعداللہ شاہ کا نام دنیائے ادب میں محتاج تعارف نہیں اس لیے کہ وہ قارئین اور سامعین کے ایک بہت بڑے طبقے کے محبوب شاعر' ادیب' ڈرامہ نگار' اور کالم نگار ہیں- وہ اسلامیہ کالج سول لائینز لاہور میں انگریزی ادب کے استاد کے منصب پر فائز ہیں- زندگی سے بھرپور اور توانا لہجہ سعداللہ شاہ کی شاعری کا وصف خاص ہے- یہی وجہ ہے کہ ان کی اردو اور پنجابی شاعری کی تیئس کتب پذیرائی اور پسندیدگی کی بے پناہ دولت سمیٹ چکی ہیں- انہیں ادبی خدمات کے اعتراف کے طور پر ''بولان اکیڈمی ایوارڈ'' بھی مل چکا ہے- وہ اپنے شعروں کو غیر ضروری علامتوں' کھردرے لب و لہجے اور ماورائے فہم اسلوب نگارش سے آلودہ نہیں ہونے دیتے- اس طرح ان کی شاعری میں عوام و خواص کا امتیاز بھی نہیں اور یہ ان کی بھرپور علمیت سے مزین بھی ہے- ان کا آبائی شہر چشتیاں ہے اور وہ ۱۹۸۱ء سے لاہور میں مقیم ہیں- ان کے شعری مجموعوں میں- بادل چاند ہوا اور میں' تمہی ملتے تو اچھا تھا' اداس موسم کے رتجگے' ہمیں اقرار کرنا تھا' اک کمی سی رہ گئی' تشنگی باقی رہے گی' مجھے کچھ اور کہنا تھا' کوئی رسم بھی نہ نبھا سکا' نہیں کچھ بھول سکتے ہم' چلو اک لفظ لکھتے ہیں' اک وعدہ نبھانا ہے' محبت اور نیلے پھولوں کی بارش میں- (اردو) میں اور شہر خدا واں دا' کھری چپ' ڈھلدے منظر' موسم تیرے آون نال' مکھڑا اور سانوں سفنے مار گئے (پنجابی) میں اور Blinking stare (انگریزی) میں شامل ہیں- ''جہاں پھولوں کو کھلنا تھا'' ان کا غزل انتخاب) اور ''کچھ دیر ٹھہر اے دل'' (نظم انتخاب) ہے- اس کے علاوہ ان کے روزنامہ ن اور روزنامہ نوائے وقت میں چھپے ہوئے کالموں کے دو مجموعے- بادنما اور سفید لکیر بھی شائع ہو چکے ہیں-

سعداللہ شاہ نے متعدد شعرا کے کلام میں سے انتخاب بھی کیے مثلاً پہچان غزلیں، پہچان نظمیں، پہچان اشعار اور پہچان نعتیں۔ مختلف شعرا کے مجموعہ ہائے کلام میں سے انتخاب میر، انتخاب مومن، انتخاب داغ، انتخاب ظفر، انتخاب مجید امجد، اور انتخاب میراجی شامل ہیں۔ انہوں نے ٹی وی کے لیے ڈرامے ڈاکیومنٹریز اور مختلف پروگرامز بھی لکھے۔ وہ ریڈیو اور ٹی وی پر کمپیئرنگ بھی کر چکے ہیں۔ ان کے فن اور شخصیت کے بارے میں معروف شاعر آصف شفیع نے ایک سیر حاصل کتاب ''سعداللہ شاہ۔ فکر و فن کے آئینے میں'' لکھی۔ جسے احمد ندیم قاسمی نے بہت سراہا۔ ان کی شاعری کے انگریزی تراجم بھی ہو رہے ہیں۔

(ادارہ)

پروپرائٹر: محمد نذیر

کوئی نغمہ ہے کوئی گیت ہے

کوئی نغمہ ہے کوئی گیت ہے
کسی پیار کا کسی ربط کا
وہ جو لمحہ لمحہ سنائی دے مری روح میں
مری روح میں جو یقین ہے جو گمان ہے
جو امان دے مری روح کو
جو جہان دے مری آنکھ کو
جو اڑان دے مری ذات کو
جو کمان دے مری بات کو
یہ جو غیب میں کوئی ساتھ ہے

یہ عظیم ہے، یہ علیم ہے

یہ خبیر ہے، یہ بصیر ہے

یہ کبیر ہے، یہ قدیر ہے

کبھی جوڑ دے مرے جسم کو مری جان سے —— کسی شکل پر

کبھی ڈال دے وہ ہزار کوس کے فاصلے —— مری عقل پر

اسے جانچنے کا جتن کروں

میں عجیب ہوں کہ وجود ملتے ہی یک بیک

یونہی توڑ دیتا ہوں رابطے - اسی ذات سے

وہ جو لمحہ سنائی دے ---- کوئی نغمہ ہے کوئی گیت ہے

کسی پیار کا کسی ربط کا

سند

اے محمدؐ تو ہی اعلیٰ، تو ہی بہتر سب سے

تجھ سا کوئی نہیں آیا بنی دنیا جب سے

اے محمدؐ ترا انکار بھی سب سے اعلیٰ

تو نے انکار کیا سب کا فقط رب کے لیے

اے محمدؐ ترا اقرار بھی سب سے افضل

تو نے اقرار کیا رب کا تو تھا سب کے لیے

اے محمدؐ ترا شہکار بھی سب سے اونچا

استعارہ بنا دیں، چاند کی ہر شب کے لیے

اے محمدؐ ترا اظہار بھی سب سے ہٹ کر

رب نے خود لفظ چنے تیرے حسیں لب کے لیے

تو نے جو بات بھی کی، رب نے شریعت کر دی

حق پرستی کی سند تجھ کو ودیعت کر دی

تخلیقی اُبج پر ایک سورج

کوئی راز مجھ پہ بھی منکشف ہو مرے خدا
مری ہست کیا
مری بود کیا
مری حیثیت ترے سامنے
مرا زعمِ نام و نمود کیا

مرے دل میں تو جو نہیں بسا
مری ذات کیا، یہ وجود کیا
اے مرے خدا کوئی روشنی
مری زندگی میں جمود کیا
کوئی راز مجھ پہ بھی منکشف ہو مرے خدا

ذات کے سمندر پر

مقدر کی لکیریں اور بھی گہری ہوئی ہیں
مری آنکھیں کہاں ٹھہری ہوئی ہیں

یہاں پانی میں ہلچل بھی نہیں ہے
مگر کیوں چین اک پل بھی نہیں ہے
سمندر کی روایت آنکھ میں ہے
جو سمجھو تو ولایت آنکھ میں ہے

یہ دنیا تو اذیت بن رہی ہے
مگر اک روشنی سی چھن رہی ہے

میں اپنے آپ سے باہر نہیں ہوں
ابھی میں خود پہ بھی ظاہر نہیں ہوں
مکمل ہوں تو یہ تکمیل کیسی
میں حاکم ہوں تو پھر تعمیل کیسی
مسلسل کشمکش میں ہوں میں بیٹھا
کہاں لے جائے گا مجھ کو یہ رستہ

تخلیق کا موسم

ضروری تو نہیں ہوتا
کہ جب بھی لکھنا چاہوں میں
تو مجھ کو لفظ بھی سوجھیں
مگر برعکس اس کے
ایک موسم ہے مری تخلیق کا شاید
جہاں پھر سوجھتا کچھ بھی نہیں مجھ کو
تخیل کی ہواؤں میں
پرندے اڑ رہے ہوتے ہیں لفظوں کے
ہر اک جانب
پھر اس کے بعد اترتے ہیں وہ ڈھیرے سے
مرے دل کی منڈیروں پر
جہاں اک باغ ہے شاید سخن ہائے معانی کا

جہاں ہیں رقص کرتی تتلیاں میرے خیالوں کی
کہ جن کی پشت پر لادے گئے ہیں رنگ گن گن کر
حسیں فطرت کے آنچل سے
جہاں حدِ نظر تک پھول ہیں بکھرے
شگفتہ اور حسیں چہروں کی صورت میں
یہ خوشبو کے پیالے ہیں جنہیں پینے کو آتے ہیں
تمنا کے کئی بھنورے
عجب اک لذتِ احساس بادل کی طرح ہے آنکھ میں میرے
یہی تو میرا موسم ہے جہاں تخلیق بنتے ہیں مرے لمحے
اور اس کے ساتھ ناممکن بھی ہوتا ہے
کہ جب تخلیق کے لمحے اتر آئیں مرے دل پر
تو ان کو روک بھی پاؤں کسی صورت

دیکھو! ہم تمنا ہیں ہر اک دل کی

ہم آئیں گے تمہیں ملنے
ہمارے خیر مقدم کو
گلِ نوخیز لے کر تم
پیادہ پا کھڑے ہونا
ہماری گرد راہوں میں
بچھانا اپنی پلکوں کو
کہ ہم ہیں خواب کی صورت
خیالوں سے بھی نازک تر
گلِ نایاب کی صورت

ہمارا دھیان رکھنا تم
ہمارا مان رکھنا تم
صبا صورت ہمیں چھونا
کہ ہم خوشبو کے وارث ہیں
بس اتنا جان لینا تم
کہ ہم پہچان ہیں تیری

خالی کاغذ

اپنی یادیں کورے کاغذ کی طرح ہیں
ایک کاغذ جو کہ کاپی میں نہیں ہے
جس پہ صرف اک لمس ہے
اس کی حنائی انگلیوں کا
کاش اس پر کچھ لکھا ہوتا کہیں
مختلف خدشات آتے ہیں مرے اس ذہن میں
کیا خبر ہے اس کے دل میں کیا تھا جو لکھا نہیں
کیا خبر ہے کیونکر اس نے مجھ سے کچھ پوچھا نہیں
اتنا آساں بھی نہیں ہے خالی خط کو کھولنا

کیا اذیت ہے کہ اس نے کچھ بھی تو چھوڑا نہیں
بات جو بھی سوچتا ہوں، وہ اسی کاغذ پہ ہے
وہ محبت ہو یا نفرت، ایک سے ہیں اب مجھے
جو بھی دل سے پوچھتا ہوں وہ اسی کاغذ پہ ہے
اک تخیل پر ہے مبنی اب تو اپنی کائنات
جو بھی منظر دیکھتا ہوں، وہ اسی کاغذ پہ ہے

ندامت بے وفائی کی

بتائیں کیا، محبت جاگتی ہے یا کہ سوتی ہے
یہ اکثر نیم خوابی میں ہمیں محسوس ہوتی ہے
پسِ پردہ کوئی آواز ہنستی ہے کہ روتی ہے
ہمیں محسوس ہوتی ہے
زمیں کی کوکھ میں اندھی ہوا جب بیج بوتی ہے
ہمیں محسوس ہوتی ہے
ہمیں محسوس ہوتی ہے اکیلے پن کی تنہائی
سکوتِ غم میں بجتی ہے خوشی کی تیز شہنائی
خیالِ گل کو چھوتی ہے نئی سوچوں کی پروائی
مہک اٹھتی ہے آنکھوں میں کئی رنگوں کی رعنائی
پسِ احساس اترتی ہے نئے جذبوں کی انگڑائی
ہر اک جذبے میں رکھی ہے مگر دل کی شکیبائی

بتائیں کیا کہ کیسی ہے، محبت کی یہ رسوائی
ہماری آنکھ اشکوں سے کبھی دامن جو دھوتی ہے
ہمیں محسوس ہوتی ہے
ہمیں محسوس ہوتی ہے ندامت بے وفائی کی
یہاں مہلت نہیں ملتی کسی کو بھی صفائی کی

نفرت سے بھری ہوئی نظم

میں اپنے گھر سے کیوں نکلوں
جو میرے گھر سے باہر ہے
وہ سب تیرا علاقہ ہے
میں تجھ سے رابطہ رکھوں تو کیوں رکھوں
میں تجھ سے واسطہ رکھوں تو کیوں رکھوں
ہمارے درمیاں اک فاصلہ ہے بس
تجھے کیسے میں سمجھاؤں کہ یہ اک راستہ ہے بس
محبت کا یا نفرت کا
یا اس جانب یا اس جانب

جو تیری ایک دنیا ہے، تو میری بھی ہے اک دنیا
مجھے تو خود ہی اک مرکز بنا کر گھومتا پھرتا ہے جانے کیوں
تو اتنا تو سمجھتا ہے کہ نشہ جب اترتا ہے
تو سب کچھ توڑ دیتا ہے
(نہ اس سے تم لڑو ہرگز جو تنہائی کے بدلے میں
زمانہ چھوڑ دیتا ہے)
بس اتنا ذہن میں رکھنا
کہ خود کو ساتھ میرے اس طرح مشروط مت رکھنا

شہر کا نوحہ

یہ جو منظر سامنے ہے
مین نے دیکھا تھا کہیں
ایک اجڑا سا مکاں تھا
اور اس میں اک اداسی اوڑھ کر بیٹھا ہوا پاگل کہیں
نقشہ اس کے ذہن کا پھر آنکھ نے کھینچا وہیں
اس میں بادل تھے دھویں کے اور اس سے
اک پرندہ شہر کی بربادیوں کو دیکھتا تھا
دیر تک اس کے کھنڈر پر گھومتا تھا
اور اتر کر ان در و دیوار کو بھی چومتا تھا

جن پہ آ کر بیٹھتے تھے اس کے سارے ہمنشیں

اور پھولوں سے بھری تھی دور تک ساری زمیں

اب تو بس اک ہو کا عالم ہے فقط چھایا ہوا

اور وہ بے چین پنچھی اڑ رہا ہے کیسے گھبرایا ہوا

غم کے باعث شب اندھیرا اور بھی گہرا ہوا

ایسے لگتا ہے کہ جیسے وقت ہے ٹھہرا ہوا

لاشعور کا خوف

میرا اک اک لمحہ جیسے

موت آنے کے خوف سے پاگل

رقصاں ہے

کتنی حیاتی بیت گئی ہے اور ہے کتنی باقی

مے بھی ختم ہے مے خانے میں

اور اداس ہے ساقی

اس دنیا کا کھیل ہے جاری

خلقت ساری

لگے ہے ہر احساس سے عاری

باہر ایک گھٹن کی صورت

اندر چلتی سانس کی آری، (وہ بھی پھر دو دھاری)

ہر سو دیکھو

آپا دھاپی، مارا ماری
اک ان دیکھی آگ کی زد میں دنیا ساری
ان ہونی کے خوف کا خنجر سر پہ ہے لٹکا
اور دل پر اک زخم ہے کاری
کیسے چھپے گا درد ہمارا
کیسی اپنی پردہ داری
آخری سانسوں پر بیٹھی ہے روح ہماری
بے چاری
اور ہمارے چاروں جانب
ایک سکوت ہے طاری
اور ہے سب کچھ جاری

ہے اور نہیں کے درمیان

کیا ضروری ہے ہواؤں میں مہک ہو اس کی
کیا ضروری ہے صداؤں میں چہک ہو اس کی
کیا ضروری ہے بہاروں میں شگوفے پھوٹیں
کیا ضروری ہے خزاؤں ہی میں پتے ٹوٹیں
کیا ضروری ہے کہ گرمی میں چلے بادِ سموم
کیا ضروری ہے کہ سردی میں ہو کہرے کا ہجوم
کیا ضروری ہے وفاؤں کا جفائیں ہوں صلہ
کیا ضروری ہے کہ ہو روز ہی اپنوں سے گلہ
کیا ضروری ہے محبت میں ہو ناکامی ہی
کیا ضروری ہے کہ چاہت میں ہو بدنامی ہی
کیا ضروری ہے کہ نفرت سے محبت جاگے
کیا ضروری ہے محبت کے ہوں کچے دھاگے

کیا ضروری ہے کہ احسان کا بدلہ ہو برا
کیا ضروری ہے بدل جائے وہ اوروں کی طرح
کیا ضروری ہے اسے حسن کا احساس بھی ہو
کیا ضروری ہے کہ اب اس سے ملاقات بھی ہو
کیا ضروری ہے ہمیں عشق میں اب مات بھی ہو
کیا ضروری ہے پسِ مہر میں رات بھی ہو
کیا ضروری ہے کہ خاموشی میں کچھ بات بھی ہو
کیا ضروری ہے درختوں پہ کوئی پات بھی ہو
کیا ضروری ہے کہ سازش میں کوئی ہات بھی ہو
کیا ضروری ہے کہ ساون ہی میں برسات بھی ہو
کیا ضروری ہے سمندر سے اٹھے کالی گھٹا
کیا ضروری ہے کہ صحرا سے اڑے ریت سدا
کیا ضروری ہے کہ جنگل ہی میں سناٹا ہو
کیا ضروری ہے جنوں ہی میں فقط گھاٹا ہو

کیا ضروری ہے کہ بے حس ہوں سبھی شہر کے لوگ
کیا ضروری ہے کہ احساس کی دولت بنے روگ
کیا ضروری ہے مکاں ہے تو مکیں بھی آئے
کیا ضروری ہے ہمیں خود پہ یقیں بھی آئے
کیا ضروری ہے کہ ہر بات ضروری ہی رہے
کیا ضروری ہے کہ خود سے یہی دوری ہی رہے

یہ ضروری تو نہیں ہے، مگر ایسا ہی تو ہے
اور سب کچھ یہ ازل ہی سے چلا آیا ہے
رات کٹتی ہے تو پھر دن بھی نکل آتا ہے
دن گزارو تو وہی رات کی باہوں میں زمیں
راہ سے مہر ہٹے یا کہ چھپے ماہ کہیں
اک ستارا بھی جو دیکھو تو مرے بس میں نہیں

سنہرے خواب کا خوف

سنتے آئے تھے کہ جب فصل پکے گیہوں کی
گاؤں کے بوڑھے خدا سے یہ دعا مانگتے تھے
"اے خدا رحمتِ باراں کو موخر کر دے"
بوند سونے کی بھی اس حال میں جاں لیوا ہے
زرِ گندم وہیں لوہے میں بدل جاتا ہے

فصل مجھ کو بھی اٹھانی ہے مری سوچوں کی
اور سر پر ہیں کسی خوف کے کالے بادل

ابھی ٹھہرو

مری جاں میری مانو تم
ابھی کچھ اور دیکھو تم
ابھی کچھ اور جانو تم

ابھی موسم بدلنا ہے
ابھی سورج نکلنا ہے
ابھی برفوں کے تودوں کو
پہاڑوں سے پھسلنا ہے
پگھلنا ہے ابھی چاندی کو پانی میں
اترنا ہے ابھی سونا بھی کرنوں کی روانی میں
ابھی تو جھیل کے اوپر
کنول کے پھول کھلنے ہیں
ابھی اس مے کے کناروں پر

کئی اک اجنبی دیسوں کے پنچھی بھی اترنے ہیں
گزرنے ہیں کئی جھونکے ہواؤں کے
ابھی کچھ پھول کھلنے ہیں
ابھی کچھ درد ملنے ہیں
ابھی تو منتظر ہیں ہم کسی اچھی نشانی کے
بہت کردار باقی ہیں ابھی اپنی کہانی کے
مری جاں میری مانو تم
کہ جانے کی نہ ٹھانو تم
ابھی کچھ اور ٹھہرو تم
ابھی کچھ اور جانو تم

نہیں کچھ بھول سکتے ہم

میں کیسے بھول سکتا ہوں
تری معصوم کاوش کو
کبھی پھولوں کا گلدستہ
کبھی رنگین پر لانا
مجھے حیران کر دینا
کبھی تتلی کو چھو لینا تو ڈر جانا' سمٹ جانا
کبھی بادل گرجتے ہی مرا بازو پکڑ لینا
چمٹ جانا —— لپٹ جانا —— اور اس کے بعد شر
میں کیسے بھول سکتا ہوں
تو کیسے بھول سکتا ہے
مری رنگین چاہت کو
ترے سپنوں میں آ جانا

حسیں بے تاب نظروں میں
محبت کا سما جانا
کبھی پر لطف جھونکوں میں ہواؤں کے
تری قربت میں سو جانا
تو کھو جانا حسیں خوابوں کے جنگل میں
مرے سانسوں کی گرمی سے
بھرے جنگل کا جل جانا
تو کیسے بھول سکتا ہے
میں کیسے بھول سکتا ہوں
مری آنکھوں میں دیکھو تم
کہ تم ان میں ہوئے ہو گم

تری آنکھوں میں بھی ہے نم
ہے مشترکہ ہمارا غم
نہیں کچھ بھول سکتے ہم

ماورائی بھید ہے احساس میں

یہ محبت فلسفے سے ماورا ہے
اور ساری تجزیاتی الجھنوں سے دور ہے
یہ شعوری سلسلوں کا اک تضاد
ہر کس و ناکس جہاں مجبور ہے
یہ محبت تو تمنا کا دیا ہے
(یاد کی دہلیز پر رکھا ہوا)
یہ محبت ایک طاقت، ماوراسو دوزیاں سے آج بھی
یہ ہے اک معصوم جذبہ اور دل کی واردات
اس میں کیسا فلسفہ
اس میں کیسی نفسیات

اس میں کیسی عقل و دانش
اس میں کیسی ذات پات
دن کی صورت ہے یہ روشن
یہ ہے لمبی چاندرات
اس میں دعویٰ کچھ نہیں ہے
اس میں لاکھوں ممکنات
ہاں مگر اک وہم سا ہے
کون سمجھے گا یہ بات

یہ محبت،
یہ محبت، یہ محبت یاس ہے یا آس ہے؟
یہ خمیرِ خاک سے نکلا ہوا احساس ہے
یہ گلِ تازہ سے پھوٹی اک صدا ہے، باس ہے
کیوں سمجھتے ہو اسے، محسوس کیوں کرتے نہیں
یہ تمہاری آنکھ میں ہے اور دل کے پاس ہے

محبت دائمی ہے

محبت دائمی ٹھہری
کسی سے کیا چھپے گی یہ
کسی سے کیا دبے گی یہ
چھپاؤ گے اسے گر تم
تو یہ اظہار سے اپنے تمہیں حیران کر دے گی
دباؤ گے اسے گر تم
تو یہ تنہائی میں آ کر تمہیں ویران کر دے گی
محبت دائمی ٹھہری

تخلیقی کرب

سب نے مجھ کو چھوڑ دیا ہے
توڑ دیا ہے
ہر اک رشتہ ناتا
لیکن کوئی نہ جانے
میرے تنہا ہونے میں
میری کتنی قوت صرف ہوئی ہے
تب کہیں جا کر میری طاقت حرف ہوئی ہے

حیران صحرائی مورت

کیوں کھڑی سوچ رہی ہو تم ابھی تک ایسے
ایک صحرا کی یہ وسعت تمہیں حیران نہ کر دے، لڑکی

اب تو خوش ہو کہ تمہیں چھوڑ دیا ہے میں نے
اک المناک حقیقت کی طرح خواب سہے ہیں تمہیں معلوم نہیں

اپنے اعضا کو سمیٹا جو بچانے کے لیے
جسم ٹوٹا بڑی شدت سے بکھرنے کے لیے راہوں میں

کشمکش ایک جو ہوتی تو نکلتا میں بھی
اس کا اندازہ لگانا بھی نہیں بس میں تمہارے شاید

ایک منظر ہے جو دونوں پہ اتر آیا ہے
ہاں مری جاں یہ مرا وہم بھی آنکھوں سے گزر آیا ہے

تم ہنسو خوب ہنسو اور مجھے رونے دو
جاگتے جاگتے میں تھک سا گیا ہوں مجھے اب سونے دو
کوئی منظر کسی منظر سے جدا ہونے دو!

احساسِ وجود کے پردے میں
چھپا ہوا جہان

بیان درد سے اپنے
خیال نارسائی تک
مکمل اک جہاں آباد ہے جس میں
کوئی قیدی کوئی آزاد ہے جس میں
مگر اک سلسلہ ''ہونے'' کا
کیسے ختم ہو جائے
الگ اس سے ''نہ ہونے'' کا کوئی اک تجربہ
اب کون لے آئے

مجھے یہ کون بتلائے

کہ میری کائنات بے کراں میں

کیا ضرورت تھی؟

ضرورت کیا تھی مجھ کو

یہ جہاں آباد کرنے کی

ضرورت سے بھری تھی زندگی میری

کوئی تو بات ہے جس کو چھپایا ہے تمنا نے

مرے دل میں

مرے دل میں تمنا ہے

کسی مرکز سے جڑنے کی

کسی مبدا سے ملنے کی

اور اب کے اس بڑے مقصد کی خاطر بھی

ضرورت ہے

حفاظت کی، امانت کی

کسی پہلی صداقت کی

اسے شبنم صبا کہہ لیں، اسے خوشبو ہوا کہہ لیں

شگوفے کا چٹخنا یا پرندے کی صدا کہہ لیں

محبت ابتدا اس کی، محبت انتہا کہہ لیں

اسی کا پرتوِ روشن جسے ہم چاند سا کہہ لیں

گواہی دودھ کی

ایک شیر خوار کے وجود سے
ماں کے دودھ کی مہک
(پس کمالِ حسیات)
ایک ارتعاش لطف کا
بنا گئی ہے خون میں
اور حواسِ شامہ پر
کس طرح جمالِ حق
خوشبوؤں کے زور پر
عکس بند کر رہا ہے
کوثر خیال کو

جنت ارضی میں آزمائش

مرے اس ذہن میں یہ بات کیوں آتی نہیں
کسی بھی وقت کٹ سکتا ہے سر میرا
مرے آبا کی قربانی
مرے ہاتھوں ہی ضائع ہو رہی ہے کیوں؟
کوئی اک زخم کاری سا مرے سینے پہ لگتا تو!
کسی بندوق کی سنگین سے میرا کلیجہ بھی جو پھٹتا تو!
مجھے بھی گھاؤ آتے اور ان پر پھر نیا اک زخم پڑتا تو
مجھے بھی ہوش آ جاتا
مگر ایسا نہیں ہے اور
میں زندہ ہوں ہوائے خواب میں اب تک
مرے ناخن سلامت ہیں
مجھے ان کے جدا ہونے کی ایذا کا

ہے اندازہ کہاں؟

کہ میں صبح و مسا بس انگلیوں کی

نرم پوروں پر

شمارِ دولتِ دنیا کی لذت کو

درونِ ذات تک محسوس کرتا ہوں

کہیں یہ بے حسی میری

مرے اعضا نہ شل کر دے

مجھے آخر تو مرنا ہے

تو پھر میں کیوں نہیں کرتا

مجھے جو کام کرنا ہے

قیامت سے یک طرفہ مکالمہ

تو ہے لیڈر مرا

پر تری لیڈری میں

غلامی کی بو

اے مرے چارہ جو' کیسے سوچے گا تو

تیرے اندر در آمد شدہ خوف ہے

اور باہر سے دکھتا ہے تو تند خو

اے مرے چارہ جو' کیسے سوچے گا تو

اک طرف قوم تیری

عذابوں میں ہے مبتلا

اک طرف عیش و عشرت

بنی ہے تری آرزو

اے مرے چارہ جو' کیسے سوچے گا تو

زندگی سے محبت ہے تجھ کو مگر
موت سے کس قدر خوف کھاتا ہے تو
اے مرے چارہ جو، کیسے سوچے گا تو
پاؤں پھیلا کے کب تک
تو بیٹھا رہے گا یہاں
ہر کسی کو ہے لڑنا
ابھی موت سے دوبدو
اے مرے چارہ جو، کیسے سوچے گا تو
بھاگ جا کر کہیں بھاگ سکتا ہے تو
کیسے رہتے تھے ہم
یاد کر تو کبھی
کیسے بستے تھے ہم
ایک ہو کر سبھی

ہم کہ خاکی بسیروں میں رہتے تھے جب
اپنے ہونے کی لذت کے احساس میں
اور گھریلو پریشانیوں کی ہری باس میں
اور اچھے دنوں کی گلابوں بھری اک نئی آس میں
چھوڑ کر اپنا گھر
ہم ہوئے دربدر
کون پوچھے گا اب
کون دامن کو اپنے کرے گا رفو
اے مرے چارہ جو
کوئی ماتم نہیں، خامشی چار سو
کیسے سوچے گا تو
کیسے سوچے گا تو

گڈو

گڈو کو پھر مار پڑی تھی
اس نے مالک کے ٹومی کو
گھٹیا مکھن ڈال دیا تھا
اس دن بھوک ''اتھوپیا'' کی
مجھ کو کتنی یاد آئی تھی
میری آنکھ بھی بھر آئی تھی

اپنے مرکز کے گ نخ

میں نے کیوں سوچا نہیں
کتنی صدیاں گم ہوئی ہیں لمحۂ موجود میں
یہ گھڑی بھی اپنے لامحدود میں اب
ایک ماضی کی نشانی ہے
کہانی ہے کسی فردا کے آنے کی،
یا جانے کی کسی موجود کے
میں نے کیوں سوچا نہیں
کل سے آج اور آج سے کل
اس تواتر سے کسی بھی سمت جائیں تو
اسی چکر میں رہتے ہیں ہمیشہ یہ قدم
ساری دنیا کا یہ ہنگامہ ذرا دیکھو
تکونی سلسلے میں قید ہے اب تک

اب یہ ساری بندشیں تو

جسم سے ہیں ماورا اور بے کراں وسعت میں ہے

سارا جہاں

ذہن کی حد سے نکل کر بھی کہاں سمٹیں گے یہ کون و مکاں

میں نے کیوں سوچے نہیں تھے یہ مکاں اور لامکاں

یہ مکاں اور لامکاں

کس قدر نزدیک تر ہیں اور کتنے دور ہیں

بات کھولیں کس طرح سے ہم بہت مجبور ہیں

یہ سبھی کچھ عیب ہے اور رابطے کی بات ہے

اک صدی کا دن ہے اس میں اک صدی کی رات ہے

گرفتِ خواہشِ ذات

یہ خیال کیا یہ قیاس کیا

تری بات کیا تری ذات کیا

تری کج ادائی کے روپ میں

سبھی واہموں کی برات کیا

تو گرفتِ خواہشِ ذات سے

کبھی اپنے آپ کو ڈھیل دے

تری بے حسی تری موت ہے

کوئی زندگی کی دلیل دے

ترا حوصلہ ہے بقا تری

ترے پیار میں ہے وفا تری

تری سوچ میں جو اڑان ہو

یہ اڑان تیرے وجود سے

پر و بال خود ہی بنائے گی

یہی سوچ حد گمان سے

تجھے پار لے کے بھی جائے گی

سنہری بارش

میری زمیں سے برسنے والی کالی بارش

کس نے پیدا کی ہے ----- شاید میں نے خود ہی

میری زمیں کا پھل اب رس سے خالی پیدا ہوگا

کالے رنگ کے بادل

بارش اور دھواں ہر جانب ---- پھر بھی سرخ زمیں ہے ساری

کیسا رنگ لہو کا ہے ----- سارے موسم بدل گئے ہیں

جلے ہوئے جسموں کی بو تک میرے نتھنوں سے چمٹی ہے

انسانوں میں اس سے بڑی اب اور سزا کیا ہوگی

میرے سامنے راکھ کے ڈھیر ہیں اور یہ میری پلکیں

خاک اور خون سے مل کر کچھ تو پیدا ہوگا

اور وہ دیکھنے والا ہوگا

میری زمیں پر برسے گی اب ایک سنہری بارش

تیرے سنہرے بالوں جیسی

میرے سنہرے خوابوں جیسی

میرے سامنے راکھ کے ڈھیر ہیں

اور یہ میری پلکیں

بڑا ظالم ہے دل میرا

بڑا ظالم ہے دل میرا

سبھی باتیں سمجھتا ہے

اسے میں نے کہا کل شب

بھلا ڈالا ہے سب کچھ اب

ہوئے چودہ برس اس کو

یہ قصہ اب پرانا ہے

کہا دل نے مجھے ہنس کر

"اسی سے ہم نے جانا ہے"

کہا میں نے کہ کیا جانا

کوئی رشتہ نہیں اس سے

ہوئے چودہ برس اب تو

کہا دل نے ذرا رک کر

"تری باتوں کا مطلب تو
مری جاں یہ نکلتا ہے
کہ تو چودہ برس ہی سے
اسی الجھن میں بیٹھا ہے"
بڑا ظالم ہے دل میرا

صبحِ لامحدود

کوئی میری ذات میں ہے اک ہیولے کی طرح
میں یہاں تک آ گیا ہوں اک بگولے کی طرح
اک شب محدود جیسے صبح لا محدود تک
ماضی چل کر آ گیا ہے لمحۂ موجود تک

غم نے لمبی تان لی ہے اور میں مدہوش ہوں
لے کے اک بے چہرگی میں آئنہ بردوش ہوں
شعلہ بن کر جل گیا ہو جیسے کوئی دود تک
ماضی چل کر آ گیا ہے لمحۂ موجود تک

دائرہ در دائرہ ہے عکس میری موت کا
ہے پس دیوار کوئی راز میری صوت کا
میں سمٹتا جا رہا ہوں اپنے ہست و بود تک
ماضی چل کر آ گیا ہے لمحۂ موجود تک

خون شریانوں سے نکلا، لفظ روشن کر گیا
لفظ نکلا جب سفر پر، میرا سارا ڈر گیا
بات ساری آ گئی ہے شاہد و مشہور تک
ماضی چل کر آ گیا ہے لمحۂ موجود تک

○

میں زمیں کی قید میں ہوں، دیکھ نیلے آسماں
اشک میں ہے رنگ تیرا اور دل میں اک گماں
ادھ کھلا اک سیپ ہوں میں جس نے کھویا اک گہر
اب کے تنہائی ہے گھر میں اور میں ہوں دربدر

زلف عنبر بھی کھلی ہے موتیے کے ہار پر
اور ہوا کا لمس بھی ہے غازۂ رخسار پھر
عشق پتھر سے اٹھے ہیں سب محبت کے شرر
اب کے تنہائی ہے گھر میں اور میں ہوں دربدر

بادو باراں نے اڑایا چاند پر سے پیرہن
چاندنی میں بھیگتا ہے چاندنی سا اک بدن
جھومتے اشجار سارے اور رستے پر خطر
اب کے تنہائی ہے گھر میں اور ہوں میں در بدر

میری دنیا اک حقیقت جس میں سب آباد ہیں
نام گو میں بھول جاؤں پر وہ چہرے یاد ہیں
جو بھی چھپتا ہے ذرا سا ڈھونڈ لاتی ہے نظر
اب کے تنہائی ہے گھر میں اور میں ہوں در بدر

○

اک محیط بے اماں ہے اور ہے وہ تنگ بھی
جس میں ہولی کھیلنے کو خواہشوں کے رنگ بھی
نفرتوں سے ڈر رہا ہوں سعد اپنے پیار میں
بات رکھنی ہے کسی کی عالم اظہار میں

روشنی کا راہبر ہے اے سواد شام تو
تیرے پہلو میں سحر ہے چل ذرا دو گام تو
میں نے تاروں کو پرونا ہے ہوا کے تار میں
بات رکھنی ہے کسی کی عالم اظہار میں

وہ مشام فکر میں ہے اک معطر سا خیال
ساعت محسوس ہے اور ہر گھڑی ہے اک وبال
زخم اپنا دیکھتا ہوں میں بھی چشم خار میں
بات رکھنی ہے کسی کی عالم اظہار میں

وجد میں ہے زندگی تو کیسے وہ ڈر جائے گی
اک حیات جاوداں میں بارہا مر جائے گی
مست اپنے آپ میں ہوں جیسے کونج اک ڈار میں
بات رکھنی ہے کسی کی عالم اظہار میں

○

تو حریم جاں سے آگے ایک دنیا کا سفر
کٹ چکے ہیں پاؤں میرے اور تو ہے بے خبر
سب نے اوڑھی خامشی تو خود سے ہے اب بولنا
جانتا ہوں کس قدر مشکل ہے تجھ کو سوچنا

اک خلائے جاوداں ہے اور ہوں میں پاسباں
خود بھی جس سے بے خبر ہوں اس کا ہوں میں رازداں
گرہیں دھاگے پر پڑیں تو کیسا ان کا کھولنا
جانتا ہوں کس قدر مشکل ہے تجھ کو سوچنا

اک حصار خوف بھی ہے دل کی دنیا سے پرے
کوئی آگے چل دیا ہے کوئی پیچھے بھی ڈرے
چند آنسو بچ گئے ہیں کیونکر ان کو رولنا
جانتا ہوں کس قدر مشکل ہے تجھ کو سوچنا

کیوں محبت بڑھ رہی ہے نفرتوں کے درمیاں
بادلوں میں پھیلتا ہے جیسے نیلا آسماں
یاد کرنا وقت کو ہے خوں میں امرت گھولنا
جانتا ہوں کس قدر مشکل ہے تجھ کو سوچنا

○

کیا بساطِ زندگی پر چل رہا ہوں چال میں
کس کی خاطر بن رہا ہوں خواہشوں کے جال میں
بے خبر ہوں کیسے نکلوں سانس ڈوری توڑ کر
میں تو جاتا ہوں خلا میں اس ہوا کو چھوڑ کر

نیم دیدہ اک جہاں ہے اور میں تمثیل ہوں
آئینۂ رہ گزر ہوں یا کہ سنگِ میل ہوں
اک شبیہِ نارسائی دیکھتا ہوں جوڑ کر
میں تو جاتا ہوں خلا میں اس ہوا کو چھوڑ کر

منطقوں کے اس سفر پر کون ہے پرواز میں
عکس آدم زاد کو ہے کس نے رکھا راز میں
شہر لے کر لوٹتا ہے کاسۂ سر پھوڑ کر
میں تو جاتا ہوں خلا میں اس ہوا کو چھوڑ کر

میرا یوں بے چین رہنا مار ڈالے گا مجھے
ان بنا سا خوف کوئی جیسے آ لے گا مجھے
سبز موسم بھی ملا ہے پھول سارے توڑ کر
میں تو جاتا ہوں خلا میں اس ہوا کو چھوڑ کر

○

میں شعورِ آگہی کی راہ پر ہوں گامزن
دور تک اک جھیل ہے اور درمیاں تاریک بن
اتنی صدیوں کا سفر بھی سوچ میں دو گام ہے
باہر اک پرواز میرے اور اندر دام ہے

اب نہ جینے کی خبر ہے اور نہ مرنے کا خیال
واہموں میں گھر چکا ہے خواہشوں کا اک غزال
ایک لمبی رات ہے اور دن کے بعد اک شام ہے
باہر اک پرواز میرے اور اندر دام ہے

اک جہاں اس سمت ہے اور اک جہاں اس سمت بھی
اس طرف ہے دشمنی اور اس طرف ہے دوستی
مشترک اک بات اس میں تیرا پیارا نام ہے
باہر اک پرواز میرے اور اندر دام ہے

گو کہ بچپن جا چکا ہے اور بڑھاپا آئے گا
یہ جوانی کا سماں تو رنگ سارے لائے گا
کام کتنا کر چکا ہوں اور کتنا کام ہے
باہر اک پرواز میرے اور اندار دام ہے

○

سامنے اک فاصلہ ہے سلسلہ در سلسلہ
اک سفر کی ابتدا ہے اک سفر کی انتہا
آسمان خاک پر ہے چاند تاروں کا شمار
بے جہت سے راستے ہیں اور صدیوں کا غبار

دھند بن کر چھا رہے ہیں سب سسکتے واقعات
منقطع ہیں رابطے سب اور ہے تاریک رات
اک سکوت برف پر ہے چند کرنوں کی پکار
بے جہت سے راستے ہیں اور صدیوں کا غبار

کس قدر میں سوچتا ہوں کس قدر حیران ہوں
طاقتیں سب مجتمع ہیں اور میں بے جان ہوں
میرے منظر لے گیا ہے سات رنگوں کا خمار
بے جہت سے راستے ہیں اور صدیوں کا غبار

نقش اک جو روح پر ہے وہ کسی کا راز ہے
ان سنا جو رکھ لیا ہے وہ کمال ساز ہے
پیش منظر میں خزاں ہے اور پس منظر بہار
بے جہت سے راستے ہیں اور صدیوں کا غبار

O

وہ کہ ہیرے کی طرح تھا اور اسیر یاس تھا
میں نے عجلت میں سبھی کچھ کھو دیا جو پاس تھا
اک پرندہ سا ہے دل میں' ڈھونڈ لے گا آشیاں
یاد رکھنا میں رہوں گا اور اس کی داستاں

سب کے سب ہی پاس تھے اور سب کے سب مجبور تھے
یار! سارے لمحے میری دسترس سے دور تھے
اب کے میں ہوں اور وہ ہے کچھ نہیں ہے درمیاں
یاد رکھنا میں رہوں گا اور اس کی داستاں

ایک چلہ کاٹ کر میں اس حصارِ ذات میں
عکس روشن کر گیا ہوں، ہجرتوں کی رات میں
جب چلا میں اس کی جانب پاؤں میں تھی کہکشاں
یاد رکھنا میں رہوں گا اور اس کی داستاں

سعد اس کو کیا خبر ہے قسمتوں کا کھیل تھا
بس میں ہوتا گر کسی کے اس کا میرا میل تھا
اس طرح ہونا تھا روشن شاعری کا اک جہاں
یاد رکھنا میں رہوں گا اور اس کی داستاں

○

اجنبی ہوں اور رہوں میں جگنوؤں کے دیس میں
قید کر لیں گے مجھے وہ روشنی کے بھیس میں
سب سے پہلے وہ مرے گا جو کوئی بیدار ہے
اپنا رستہ کاٹ لینا کس قدر دشوار ہے

چھپ کے اس کو دیکھنا ہے اور ہے پھر سوچنا
گویا اپنی بے بسی پر اپنا چہرہ نوچنا
یہ بھی ہے اک مشغلہ سا گو بہت بے کار ہے
اپنا رستہ کاٹ لینا کس قدر دشوار ہے

عکس پانی میں پڑا ہے فصلِ گل ہے اشکبار
ایک ندی کے کنارے منظر ناپائدار
ایک سی تاثیر سب کی، پھول ہے یا خار ہے
اپنا رستہ کاٹ لینا کس قدر دشوار ہے

اک غبارِ درد مجھ پر چھا رہا ہے ہر قدم
دھند جیسے جاگتی ہے خوابِ جاں سے صبح دم
ایک مبہم سا تصور جس میں اک اقرار ہے
اپنا رستہ کاٹ لینا کس قدر دشوار ہے

شٹل کاک

"تم نے شٹل تو دیکھی ہو گی
کتنی اچھی لگتی ہے
کوئی ملکہ یا کوئی شہزادی جیسے
پہلی 'سروس' پر جب باہر آتی ہے
کیسے رقصاں رہتی ہے
ایک پری کی صورت —— اپنے پورے حسن کے ساتھ --
دیکھنے والے سرحرکت میں رہتے ہیں —— آہ مگر"
مغرب کی اس دوشیزہ نے
اپنی بات کو جاری رکھا

''جب اس نازک پگلی کا
کوئی اک پر گر جاتا ہے
اس کا توازن کھو جاتا ہے—— پھر باقی کیا رہ جاتا ہے!
اس کی شکل بگڑ جاتی ہے—'نا کنگ' میں—اور اگلے روز
سویپر اس کو لے جاتا ہے کوڑے میں''

باغ جناح میں ایک شام

اڑتی چند بدلیاں ہلکی سی پھوار ہے
دل میں گزری یادوں کی ایک جوئبار ہے
اک سفید بینچ پر اجنبی سے لوگ ہیں
یہ خوشی کی ساعتیں زندگی کا روگ ہیں
آم کے درخت پر زرد زرد دھوپ ہے
یہ کسی جدائی کا جاگتا سا روپ ہے
مورتوں کا جمگھٹا سامنے کے لان میں
اس کو بھی سجا لیا میں نے اک گمان میں

مورتوں سے اس طرف ننھے بچے کھیلتے
تتلیوں کو دیکھتے اور پھول توڑتے
رابطہ وہ خواب کا زندگی سے جوڑتے

دیکھتے ہی دیکھتے آئی شام پیاس میں
تھا جناح باغ بھی ماتمی لباس میں
سارے رنگ مر گئے بولنے کی آس میں

اداس موسم کے رتجگوں میں

اداس موسم کے رتجگوں میں
ہر ایک لمحہ بکھر گیا ہے
ہر ایک رستہ بدل گیا ہے
پھر ایسے موسم میں کون آئے

کوئی تو جائے
ترے نگر کی مسافتوں کو سمیٹ لائے
تری گلی میں ہماری سوچیں بکھیر آئے
تجھے بتائے کہ کون کیسے
اچھالتا ہے وفا کے موتی

کسی کی جانب

کوئی تو جائے ——— مری زباں میں تجھے بلائے ——— تجھے منائے

ہماری حالت تجھے بتائے ——— تجھے رلائے، تجھے ستائے

تو اپنے دل کو بھی چین آئے

یہ پاک دھرتی

وہ ایک عورت

برہنہ چھاتی پہ ایک بچے کا دھڑ اٹھائے

لہو کی مٹی میں سو رہی تھی

وہ ایک بینر

تھا جسم پر جو

لہو کی تحریر بولتا تھا ——— یہ "پاک دھرتی"

فلک نے دیکھا کہ ایک بوڑھے کے ہونٹ کانپے

"یہ سعدیہ ہے ——— یہ میری بیٹی

اے پیاری بیٹی! ——— میں تیرا پاپا

میں جانتا ہوں

کہ تیری چادر اتر گئی ہے

اے پیاری بیٹی!

یہ کم نہیں ہے

کہ ایک چادر ہزار نادار عورتوں کو

امان دے گی —— سکون دے گی

یہ خون تیرا عجیب شے ہے

کہ تیرے دشمن کے ہاتھ پر بھی تو بولتا ہے

یہ تیرا نعرہ —— یہ پاک دھرتی

یہ تیرا بچہ ہے نسل تیری

یہ تحفہ اپنے وطن کو دے دو

اے پیاری بیٹی —— تو یاد رکھنا

کہ غسل میں نے دیا ہے تجھ کو

ان آنسوؤں سے

کہ ثبت جن پر ہے نامِ اعظم

یہ روشنی کا کفن مبارک

یہ مصطفیٰؐ کا وطن مبارک

اے پیاری بیٹی! میں جا رہا ہوں''

میں جانتا ہوں

وہ کیا تھا بچہ —— وہ میری صورت

وہ خون کیا تھا —— وہ میری صورت

میں جانتا ہوں

کہ میری دھرتی کی ننگی چھاتی سے دودھ پھوٹا

تو رنگ بدلا منافقت نے لہو سے اُس کا

مرے خدایا —— عطا ہو مجھ کو وہ ایک پنجہ

جو کربلا میں کھلا تو اس نے

وہ ظلمتوں کے حصار توڑے —— کہ آج تک ہوں

میں روشنی میں

مرے خدایا وہ حوصلہ دے —— کہ کربلا کے فرات پانی میں
رنگ اچھلے

وہ صبر مجھ کو عطا ہو یارب
کہ میں بھی اصغر کو دیکھ پاؤں
حسینؓ ابن علیؓ کے صدقے —— حسینؓ ابن علیؓ کے صدقے

عبداللہ شاہ کے لیے ایک نظم

(۱۹۸۴ کی ایک شام)

اک ستمبر آیا تھا
روشنی کے سنگ سنگ
کھڑکیوں سے کھیلتے
بادلوں کے سات رنگ
آ رہے تھے وارڈ میں
عین میرے سامنے
جھومتے تھے پیڑ بھی
پھر ہوا کے ساز پر
بادلوں کا رقص تھا
جیسے ایک چاند کی

رخصتی کا وقت تھا
جا چکے تھے ڈاکٹر
گرم کافی کے لیے
خوشگوار لمحے تھے

تند و تیز سسٹریں
خوش تھیں چھیڑ چھاڑ میں
اور پھر کبھی کبھی
ڈاکٹر کے نام پر
قہقہے بھی اٹھتے تھے

اور ان سے بے نیاز
ایک شوخ نرس بھی
گفتگو میں محو تھی
ایک ٹیلی فون پر
جانے کس کے ساتھ وہ

زندگی کے وعدے تھے
موت تک نبھانے کے
بے خبر تھے سب وہاں
موسموں کے پھیر سے
مر رہا تھا ایک شخص
جانے کتنی دیر سے

تھا خدا بھی دیکھتا
پھر وہ کیسے دیکھتا
اس نے میرے بھائی کو
ایک تحفہ دے دیا
پر سکون موت کا

آسماں سے اس کی روح
ہنس رہی تھی نرس پر

زندگی کے وعدوں پر
موت تک نبھانے کے

اب ستمبر آتا ہے
بارشیں بھی ہوتی ہیں
رنگ کوئی لے گیا

سب کچھ سچا کیوں لگتا ہے

اب تک مجھ کو یاد آتا ہے
کتنا سندر تھا بچپن بھی
جب میں دادی اماں جی سے
سنتا تھا اک پری کہانی
جس میں جھیل سی آنکھوں والی
لمبی لمبی پلکوں والی
اک ننھی سے چاند پری تھی
دادی اماں جی کہتی تھیں
اس کو دیکھ کے ہر اک راہی
بس پتھر کا ہو جاتا تھا

صرف کہانی ہی تھی اگر یہ
مجھ کو ایسا کیوں لگتا ہے

سب کچھ سچا کیوں لگتا ہے
گھر میں ڈر سا کیوں لگتا ہے
کبھی کبھی تو یوں لگتا ہے
جیسے میں بھی بوجھل ہو کر
خود اک پتھر ہو جاؤں گا
کھڑے کھڑے ہی سو جاؤں گا
مجھ کو ایسا کیوں لگتا ہے
سب کچھ سچا کیوں لگتا ہے

کیسا لگتا ہے

کیسا لگتا ہے دیکھو تو
بیٹھے رہنا راہوں میں
آتے جاتے لوگوں کو
دیکھتے رہنا سوچتے رہنا
پھر آوازوں کی چپ میں
گنتے رہنا ڈوبتے سورج
دور اُفق کے دامن میں
ڈھونڈتے رہنا اپنا موسم
ہر پت جھڑ میں

ڈھلتے سایوں کے اندر

بکھری چپ آوازوں میں

خوف کا عالم پیڑوں پر

اس میں پھر تصویریں بننا

دور بچھڑنے والوں کی

جن کے دیس میں سارے سورج

سارے موسم، سارے منظر

اپنے آنگن ہوتے ہیں

وہ خوش قسمت ہوتے ہیں

بسنت

شام ہے بسنت کی

تک رہا ہے آسماں

اڑتے رنگوں کا جہاں

جابجا نئی امنگ

بادلوں کے سنگ سنگ

رقص کرتے ہیں پتنگ

جیسے ایک جھیل میں

تیرتے ہوں سات رنگ

کچھ ہوا کو کاٹ کر

خود ہی پھڑ پھڑاتے ہیں

کچھ ہوا کے زور سے

پھٹ کے ڈگمگاتے ہیں

کچھ زمیں کی سمت بھی
کٹ کے لڑکھڑاتے ہیں
لوگ ان کو دیکھ کر
کیسے مسکراتے ہیں
آسمانِ نیلگوں
چپ ہے کتنی دیر سے

کس قدر ہے جمگھٹا
کون جانے کیا ہوا
کس نے ڈور کاٹ دی
کس کا 'مانجھا' کٹ گیا
میں کھڑا ہوں اک طرف
یہ تماشہ دیکھتا
ہے مجھے بھی سوچنا
میں کھڑا ہوں کس جگہ

کس جگہ ہے کائنات
آسمانِ نیلگوں
چپ ہے کتنی دیر سے
شام ہے بسنت کی
تک رہا ہے آسماں
اڑتے رنگوں کا جہاں
سوچتا ہوں جب کبھی
مجھ میں بھی ہے ایک بات
میں ہوں مرکزِ جہاں
میری ذات —— کائنات

زندہ بت

تیز جلتی دھوپ میں
راستے میں اک جگہ
میری آنکھ رک گئی
ایک زندہ بت بنی
وہ نہ جانے کون تھی
دیر تک کھڑی رہی
بس کے انتظار میں
اس کے اپنے سائے میں
اس کا ننھا بچہ تھا
وہ پسینہ پونچھتی
اور بچہ دیکھتی
مسکراتی جب کبھی

کون دیکھے گا

آئینہ تھا اس لیے رہتا کہاں
میں تو ہوں
ردِعمل میں ٹوٹ کر بکھرا ہوا
کون جوڑے گا مجھے
کون دیکھے گا مرے اندر تجھے

اک چمک سی آنکھ میں
اس کے پھیل جاتی تھی
میں رہا یہ دیکھتا
ایک ماں کی ممتا
اپنے سچے پیار میں
پھر مجھے تو یوں لگا
جیسے میں وہ بچہ ہوں
اور وہ میری ممتا
پھر میں آ کے اپنے گھر
ماں کو ڈھونڈنے لگا

جنگلی کبوتروں کا اک جوڑا

یونیورسٹی کے برجوں پر
سامنے ایک بڑا گھڑیال
ابھی بجائے گا بارہ
اور ابھی کوئی اجلا چہرہ
مجھے بتانے آ جائے گا
میڈم آج کلاسیں لے گی
سردیوں کی اس دھوپ میں جاناں!
کون کلاسیں پڑھتا ہے
ابھی ابھی کوئی آ جائے گا

اور بیٹھے گا میرے پاس

کچھ لمحے یونہی گزریں گے

اور پھر دھوپ کی حدت میں

ہم 'ٹولنٹن' سے لائیں گے

تازہ دو برگر دو جوس

تب پھر کھل کر باتیں ہوں گی

باتیں اپنی میڈم کی

باتیں کیٹس اور ملٹن کی

باتیں چھپی محبت کی

باتیں اپنی چاہت کی

مستقبل کی راحت کی

پھر باتوں ہی باتوں میں

شام کے چار بجیں گے

اور ہمارے ہر جانب

سائے آن سجیں گے

سامنے والے برجوں سے

جنگلی کبوتروں کا اک جوڑا

پھڑ پھڑ کرتا اڑے گا

ہم یک دم ڈر جائیں گے

اور کتنا شرمائیں گے

سیڑھیوں کے درمیان گفتگو

وہ فریبِ ساعتِ رائیگاں
مری دل لگی مری داستاں
ترے سامنے ترے روبرو
کبھی سیڑھیوں کے تھی درمیاں
جو گراں تھی تیرے مزاج پر
مری زندگی کا سوال تھی
مرے رتجگوں کا ملال تھی
دلِ سرخرو کا کمال تھی
شبِ آرزو کا جمال تھی
مگر اور بھی میں کہوں اگر
مری گفتگو مرا راز تھی
مری چاہتوں کا جواز تھی

ایک یاد

اک دن یوں ہی آ نکلا میں
اس خواب نگر کے پار کہیں
اک چاند ملا تنہائی میں
کچھ آنکھوں سے سمجھاتا تھا
پر میں انجان تھا بستی میں
میں اس کی بات کو پا نہ سکا
تب بیٹھ کے میں اسے تکنے لگا
پھر اس کی شبنمی آنکھوں سے
کچھ تیر چلے — مرے ہونٹ ہلے
میں لمبی لمبی سانسوں میں
پھر اپنے لبوں کی جنبش کو
نہ ہی روک سکا کچھ کہنے سے

کچھ الٹے سیدھے فقرے تھے
وہ ہنسنے لگا' میں ہنسنے لگا
وہ اور ہنسا' میں سہم گیا
پھر اک چنچل سی شوخ ہنسی
جب اس کے لبوں پر پھیل گئی
وہ اپنی زلف کے جھٹکے سے
اٹھا اور اٹھ کر کہنے لگا
اے سعد! ابھی تم بچے ہو
جو چاند سے کھیلا کرتے ہو

چلو اک لفظ لکھتے ہیں

کہا اس نے
''چلو اک لفظ لکھتے ہیں
تم اپنا لفظ لکھو گے
میں اپنا لفظ لکھوں گی
پھر اس کے بعد دیکھیں گے
کہ کیسے سوچتے ہیں ہم''
کہا میں نے
''نہیں ایسے نہیں کہتے
نہیں ایسے نہیں کرتے
چلیں اک لفظ لکھتے ہیں

جو دونوں کو ملاتا ہو

(ہمارے دل میں باہم ایک غنچہ سا کھلاتا ہو)

ہلاؤ اپنے ہونٹوں کو

ملاؤ اپنے ہونٹوں کو

جو ان سے لفظ بنتا ہے

وہی اک لفظ لکھتے ہیں

چلو اک لفظ لکھتے ہیں"

نیلے پھولوں کی بارش میں

پھر وہ نیلے پھول ہیں بکھرے ہوئے

پھر سے اب اشجار ہیں نکھرے ہوئے

اس زمیں پر ایک غالیچہ سا بچھتا جا رہا ہے چار سو

حسنِ عالم ہے نئے ملبوس میں اب روبرو

کیا خبر کیا نام ان اشجار کا

نام میں رکھا بھی کیا ہے' کام دیکھا چاہیے

منظروں کے بیچ ہر ہر گام دیکھا چاہیے

صبح دیکھا چاہیے اور شام دیکھا چاہیے

حسن ہے تو حسن کو بے نام دیکھا چاہیے

پھر وہ نیلے پھول ہیں بکھرے ہوئے

جھیل کے اطراف بھی ہیں اوس سے نکھرے ہوئے

آسماں کا رنگ ہے یا آسماں ہے یہ زمیں

یہ تصور کا ہے دھوکہ ورنہ ہم سب کچھ نہیں
یہ تو ممکن بھی نہیں ہے، وہ کہیں اور ہم کہیں
بات اتنی سی ہے لیکن کس طرح آئے یقیں
چار سو وہ اک مکاں ہے جس میں ہم سب ہیں مکیں

(۲)

پھر وہ نیلے پھول ہیں بکھرے ہوئے
کیا خبر کیا نام ان اشجار کا
نام میں رکھا بھی کیا ہے، کام دیکھا چاہیے
بام پر ہو چاند تو پھر بام دیکھا چاہیے
کیسے گرتے جا رہے ہیں پھول بارش کی طرح
اور کتنے خوبصورت ہیں یہ خواہش کی طرح
کیا خبر اب اس زمیں سے کیا ہے ان کا سلسلہ
جاں نثاری کی ہے گویا یہ بھی کوئی انتہا
کاش میری آنکھ میں بھی کوئی آ کر دیکھتا

پھر وہ نیلے پھول ہیں بکھرے ہوئے
آسماں کے رنگ ہیں کچھ اور بھی نکھرے ہوئے
پھیلتا ہی جا رہا ہے نیلگوں سا، یہ سماں
اپنے دل پر ہے ہمیں بھی اک سمندر کا گماں
ایک سے ہے ایک منظر خوبصورت اور جواں
مجھ پہ کھلتا جا رہا ہے اپنے خوابوں کا جہاں
اک تعلق سا ہے ورنہ وہ کہاں اور میں کہاں
یہ جو نیلے پھول ہیں بکھرے ہوئے
ایک لمحے کے لیے ہیں یہ ہمارے راز داں
ان کے پیچھے جھلملاتی ہے نئی اک کہکشاں
پھر وہ نیلے پھول ہیں بکھرے ہوئے
کیا خبر کیا نام ان اشجار کا
نام میں رکھا بھی کیا ہے، کام دیکھا چاہیے
اور کیونکر پھول کا انجام دیکھا چاہیے
پھر وہ نیلے پھول ہیں بکھرے ہوئے

''اساں آپے اڈن ہارے ہو''

مجھ کو ایسے
سنگ اٹھا کر
کیوں زمانہ ڈھونڈتا ہے
آئینہ تو ٹوٹنے کو
اک بہانہ ڈھونڈتا ہے

پھر جدائی کا وہی پہلا سماں لگتا ہے

کتنی آوازیں ہیں جن سے میں نہیں بچ سکتا
ایسے لگتا ہے کہ محفوظ ہے سب کچھ سر میں
کچھ بھی سوچو، وہ سماعت پہ گراں لگتا ہے
ہر گھڑی بنتا بگڑتا یہ مکاں لگتا ہے
سال خوردہ سا ہر اک جذبہ جواں لگتا ہے
ایک پتھر سا تہ آب رواں لگتا ہے
جتنا ظاہر ہے وہ اتنا ہی نہاں لگتا ہے
وہ جو اپنا ہے، وہ اپنا بھی کہاں لگتا ہے
اور پھر تیر سا لگتا ہے کلیجے میں مرے
اس کا ابرو مجھے اب تک بھی کماں لگتا ہے

ایک تتلی پہ سمٹتا یہ جہاں لگتا ہے

سعدؔ مانو کہ حقیقت نہیں مر سکتی کبھی

اس حقیقت کے قریں میرا گماں لگتا ہے

کوئی بارش سی اتر آتی ہے سینے پہ مرے

پھر جدائی کا وہی پہلا سماں لگتا ہے

ایک صورت ہے جو آنکھوں سے چپک جاتی ہے

ایک منظر ہے کہ دل کو مری جاں لگتا ہے

بہت مصروف رہتا ہوں

کبھی پانیوں کو اچھالنا

کبھی برف رت کو اجالنا

کبھی بادلوں کی ردا لیے

اسے کوہساروں پہ ڈالنا

کبھی ڈھانپنا اسے دھند میں

کبھی منظروں سے نکالنا

ہے عجیب سا مرا مشغلہ

کہ ہمیشہ چاہتیں پالنا

کبھی دیکھنا اسے خواب میں

کبھی رتجگوں کے عذاب میں

کبھی حرف حرف بکھیر کر

اسے جمع کرنا کتاب میں

کبھی موسموں سے نکال کر

اسے لانا اپنے حساب میں

ہے عجیب سا مرا مشغلہ

کہ ہمیشہ رہنا سراب میں

محبت مار دیتی ہے

محبت بھی عجب شے ہے

کہ جب بازی پہ آتی ہے

تو سب کچھ جیت لیتی ہے

یا سب کچھ ہار دیتی ہے

محبت مار دیتی ہے

محبت بھی عجب شے ہے

کہ جب آئی پہ آ جائے

تو سب کچھ چھین لیتی ہے

یا سب کچھ وار دیتی ہے

محبت مار دیتی ہے

محبت بھی عجب شے ہے
کہ کاروبارِ ہستی میں
کبھی یہ پھول چنتی ہے
کبھی یہ خار دیتی ہے
محبت مار دیتی ہے

کہو اب کیا ارادہ ہے

کہو اب کیا کہوں تم سے
بتاؤ کیا لکھوں تم کو
مجھے تمہید دو کوئی
مجھے امید دو کوئی
نیا اک لفظ ہو کوئی
جہاں سے بات چل نکلے
مری مشکل کا حل نکلے
بتاؤ لہجہ کیسا ہو
کہ تم سے بات کرنی ہے
مجھے تھوڑا اجالا دو
بسر اک رات کرنی ہے
ذرا بولو تو میں لکھوں

تم اپنی روشن آنکھوں کو
اگر کھولو تو میں لکھوں
تمہارے لب سے آئے گا
سخن میں اک کٹیلا پن
تمہاری آنکھ دے دے گی
تخاطب کو نشیلا پن
کہو اب کیا ارادہ ہے
مجھے اظہار کرنا ہے
کہ بے تابی زیادہ ہے

اک آرزو

چاہے مرا زخم بھرنے نہ دو
لیکن مجھے تم بکھرنے نہ دو

دیکھو ہواؤں میں کیا زور ہے
ان میں بلاؤں کا بھی شور ہے
مجھ پر خزاں کو اترنے نہ دو
دیکھو مجھے تم بکھرنے نہ دو
گلشن کی رونق یہی پھول ہے
ورنہ تو پھر دھول ہی دھول ہے

روکو ہوا کو گزرنے نہ دو
دیکھو مجھے تم بکھرنے نہ دو

لیکن تمہارے بھی بس میں کہاں
قسمت کسی دسترس میں کہاں
پھر بھی مجھے ایسے مرنے نہ دو
دیکھو مجھے تم بکھرنے نہ دو

کچھ باتیں بڑی دیر میں کھلتی ہیں

مجھے تو یاد ہے اب تک
کہ ہم بچپن میں اکثر ہی
یونہی اک مشغلے کے طور پر شاید
بہت سے ان کھلے پھولوں کو لے کر
اک گھڑے میں ڈال دیتے تھے
جو راتوں رات کھل اٹھتے تھے پورے ہی
ابھی بھی پوچھتے ہو تم کہ میری آنکھ کی رنگت
گلابی کس لیے ہوتی ہے راتوں کو
مری جاں وقت آتا ہے
کہ جب مفہوم مل جاتا ہے باتوں کو

پچھتاوے کے لمحے میں

اس نے ایسے بھلا دیا مجھ کو
جیسے مجھ کو وہ جانتا ہی نہ تھا
لیکن اس کا جواب کیا دوں میں
میرا دل تھا کہ مانتا ہی نہ تھا

مٹی کی اڑان

یہ مٹی کے حسیں گلدان دیکھو تو چمکتے نیلے رنگوں میں
بہت دلکش نظر آتے ہیں کانس پر
مگر جو تو نے دیکھا ہو' انہیں تخلیق ہوتے بھی---
بہت مشکل سے ہوتا ہے مکمل یہ عمل سارا
بڑا ہی جان لیوا ہے مشقت کا یہ نظارا
یہ خاکی وردیوں میں خاک کے پتلے
اٹھاتے ہیں نشاں اپنا خمیرِ خاک سے کیسے
یہی مظہر ہے تخلیقِ وجودِ آدمیت کا
اسی مٹی میں شامل ہے مہک ان کے پسینے کی
انہی ہاتھوں کے جادو سے یہ مٹی شکل پاتی ہے
اور اس کے بعد کیسے پھر
ہنر مند ان کو رنگوں سے بھری لوری سناتے ہیں

لبِ دستِ تخیل سے

تو ان پر اک بہارِ نیلگوں جیسے اترتی ہے

یہ کیسا لمس ہے ان انگلیوں کی سخت پوروں میں

کہ جو یوں منتقل کرتا ہے سارا حسن مٹی کو

(ہماری زندہ مٹی سے)

کہ جو تقویمِ احسن ہے

(ہبوطِ آدمِ خاکی بھی اب تک ایک ورثہ ہے)

یہ مٹی ہے

بہت تاثیر رکھتی ہے پکڑ اس کی

علاقہ در علاقہ یہ بدل لیتی ہے رنگ اپنا

مگر اک رنگ غالب ہے

جسے ہم سبز کہتے ہیں

نمو جس کی ہے دہقانوں کی سرخی سے

مگر کیا ہے

سنہرا رنگ جب پڑتا ہے فصلوں پر

تو کتنے مختلف مکروہ سے چہرے

خوشی سے تمتماتے ہیں

اور ان کی رال بھی لمبی زبانوں سے ٹپکتی ہے

یہ شہوت پیٹ کی مٹی میں اگتی ہے

جنم اس کا مکمل آگ کی صورت میں ہوتا ہے

مگر یہ وقت ہے

جو ہل چلاتا جا رہا ہے سرخ مٹی میں

اور اس نے راکھ کر ڈالا ہے مستقبل کے خوابوں کو

حقیقت بن گئے ہیں وہم بھی سارے

نہیں آتی ہے اب تو سرخ آندھی بھی

کبھی تو نے جو دیکھا ہو

یہی مزدور تھا جس نے

ابوالہول ایسا اعلیٰ اک عجوبہ بھی اٹھایا تھا

جو صدیوں کی شکست و ریخت سہہ کر بھی
کھڑا ہے ثابت و سالم
اسی مزدور نے محنت کے منتر سے
بدل ڈالا ہے حیوانوں کے سینگوں کو
کبھی گڑیا' کبھی چڑیا کی صورت میں
ضرورت نے اسے تخلیق بخشی ہے
اسے تو اس کا اندازہ نہیں شاید
یہ پرتو ہے حقیقت کا
تقدس جس کا پھوٹا ہے
اسی کی روح سے خود ہی
(کسی جھرنے کی صورت میں)
اسی باعث ہتھیلی پر بھی وہ سرسوں جماتا ہے
وہی مزدور
مردہ جانور کی ہڈیوں پر

رزق بھی تحریر کرتا ہے
اسی نے دانت ہاتھی کے بھی آرائش میں بدلے ہیں
پرندوں کے پروں سے بھی اڑایا ہے خیال اس نے
مگر اس کی شکم سیری نہیں ہوتی مشقت سے
سبھی لوگوں کو جلدی ہے
بہت سا رزق پس انداز کرنے کی
(مگر اک سانس بھی دیکھو۔ نہیں اپنی)
یہی اندیشہ ہے ہر دم
کسی پر کوئی سبقت ہی نہ لے جائے
مخالف سمت منزل کی سفر اچھا نہیں ہوتا

ہماری زندگی کی خواہشیں تو خواب جیسی ہیں
جو بے تعبیر دنیا کے سمندر میں رکھے اوندھے پیالوں
کی طرح ہیں

ہمارا کیا!

کہ ہم تو ایک اندھے کی طرح
لپٹے ہیں دستر خوان پر
اور شور کرتے جا رہے ہیں
"لوٹ کیسی ہے؟"

یہاں تو زندہ رہنے کی خوشی بھی
دوسروں کے پاؤں سے چمٹی ہوئی محسوس ہوتی ہے
اور اب تو غم تلک اپنے نہیں ہیں
کیا کہے کوئی

اگرچہ اب زمانہ وہ نہیں ہے
جب وہ ڈرتا تھا درندوں سے
کہ اب تو زندہ شیروں کا تماشا ہو رہا ہے
شہر میں، دیکھو!
یہ انساں بھی تقیہ کر کے بیٹھا تھا

پرانی دشمنی ہے اس کی جنگل سے
اسی باعث تو جنگل بھی چلا آیا ہے، ساتھ اس کے
مکانوں تک
(یہ جنگل تو یقیناً آگ پھیلائے گا ہر جانب)
مگر اک کاوشِ پنہاں مسلسل کام پر رہتی ہے انساں میں
کہ جس نے
آہنی پتھر رکاوٹ کے
بدل ڈالے مشینوں میں
تو رستہ بھی نکل آیا
نئی سوچیں، نئی راہیں، نئی منزل
جہاں انساں خرامِ وقت سے آگے
نکل آیا ہے کوشش سے
اب اس کے ہاتھ اور پاؤں
کئی خودکار لوموں کے

کسی آہنگ پر ہیں رقص میں شاید

اور ان کی پتلیاں بھی ریشمی دھاگے کے تانے سے

بندھی ہیں

اور ہر دم دوڑتی پھرتی ہیں رنگوں کے تعاقب میں

ہر اک لمحہ انہیں اک خوف لاحق ہے کہ غفلت میں

کہیں وہ پھول اور تتلی ادھورے ہی نہ رہ جائیں

یہ بازارِ تجارت ہے

یہاں تصویر کی تکمیل بھی کتنی ضروری ہے

یہ خاکی رنگ پتلوں کے ہیں، پیراہن

ادھورا پن انہیں اچھا نہیں لگتا

اسی اک بات کو تو وہ چھپاتے ہیں

کہ جو ظاہر ہوئی تو پھر بدل جائیں گے پیراہن

یہ انساں بھی عجب شے ہے

عجب ہیں خواہشات اس کی

کہ اس نے کام اپنا بھی

ہے سونپا اب مشینوں کو

وہ بیٹھا آئنوں کے بیچ کیسے حظ اٹھاتا ہے

کبھی جو تو نے دیکھا ہو مشینوں کو

کہ کیسے کپڑا بنتی ہیں

عجب انداز میں وہ روئی کے بادل

حسیں رنگین دھاگوں میں بدل کر جب گراتی ہیں

''پراسس'' میں

تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ رنگین بارش ہے

جو پل بھر میں کھلا دیتی ہے کپڑے پر

حسیں پھولوں کی اک دنیا

اسی صورت کوئی شاعر

سنہرے خواب بنتا ہے، کسی زربفت کی صورت

شبیہہِ ابرِ حیراں سے

دھنک رنگوں کی جھلمل سے
نئے پھولوں کے کھلنے سے
نشیلی پتلیوں کے درمیاں کتنے ہی منظر جاگ اٹھتے ہیں
یہی گلگشت مظہر ہے بہاروں کا
مگر اس سے بہت آگے
مشینیں وہ بنا ڈالی ہیں انساں نے
کہ خود ان پر گماں ہوتا ہے انساں کا
پلانٹوں میں کبھی روبوٹ کو دیکھو
کہ از خود وہ مشینوں کی مرمت کرتا جاتا ہے
پہنچ جاتا ہے اس جا بھی
جہاں انسانی ہاتھوں کی پہنچ ممکن نہیں ہوتی
ہم انساں
اپنی اس تسخیر پر حیران ہیں خود بھی
کبھی محسوس ہوتا ہے

کہ سب کچھ ہی نکلتا جا رہا ہے ہاتھ سے اپنے
بلند و بالا سب گنبد بہت ہی ہیچ دکھتے ہیں
کہ اپنی آرزو کی آنکھ تو اب
ایک منزل پر نہیں رکتی
یہاں تو ان گنت سورج نکلتے ہیں
مگر سائے نہیں مٹتے
کبھی محسوس ہوتا ہے
کہ ہم نے اپنے سایوں کو
مجسم کر دیا ہے ایسی صورت میں
جو دیکھو تو انہوں نے
وہ علاقہ بھی سنبھالا ہے
جہاں سے اب گزر تک خارج از امکان ہے اپنا
اسی کی خواہشِ دیرینہ ہے جس نے خلاؤں میں
رموٹ اس کا لیا ہے اپنے ہاتھوں میں

درونِ خانہ وہ بے نام سناٹوں کے
گھیرے میں بھی تابع ہے
مشینوں کے
تحرک اس کا قائم ہے نہ جانے کس طرح اب تک
اسے تو اب نکلنا ہے کشش سے اپنے مرکز کی
جہاں اس کو کَشش اک دوسرے مرکز کی
آغوشِ محبت میں سمیٹے گی
تنفس اس کا جاری ہے
مگر تابوت میں بھاری مشینوں کے
وہ دفنایا گیا ہے
اور اب تک ہے خلاؤں میں
(مگر اک روح ایسی چیز ہے شاید
کہ جو خود کار پنجوں کی پہنچ سے دور ہے اب تک)
مگر کب تک؟

اسے
ڈش وائرس سے
اور نیلی ایڈز سے
کیسے بچایا جائے گا' سوچو!

یہ سب خواہش کے سائے ہیں
جو منڈلاتے ہیں خلوت میں
ذرا دیکھو
یہ سائے دن بدن بڑھتے چلے جاتے ہیں آگے کو
یہ سائے اب تجاوز کر گئے ہیں اپنی خواہش سے
(ہمارے سائے اب ہم سے بڑے ہیں - اور - ہمیں
وحشت بھی ہوتی ہے)

ہمیں احساس ہے شاید
کہ جب سائے بڑے ہونے لگیں تو

یہ سمجھ لینا ضروری ہے
کہ یہ سب
روشنی سے دور جانے کی علامت ہے
نشانی ہے زوال آمادہ انساں کی
ہمارے سائے تو دیکھو
بہت آگے نکلتے جا رہے ہیں
اور ان کی
اس طرح تجسیم کر لینا
کہ وہ اٹھ کر
ہمارے ساتھ ہر جا دوڑنے پھرنے کے قابل ہوں
فقط دیوانگی کی ایک حالت ہے
اسی میں جانکنی کی ایک صورت بھی ہے پوشیدہ

نہیں ایسا نہیں ہے
شاید ایسا ہے

کہ ہر جانب مکمل بے اماں ماحول دکھتا ہے
مسلسل خوف کا عالم
حسیں رنگوں بھرا اک خواب دیکھو تو
دھوئیں کی گرد میں لپٹا ہوا
ہر ایک جانب ٹوٹ کر بکھرا پڑا ہے کیوں؟
ہمارے شہر کا منظر تو پراسرار لگتا ہے
کہ جیسے سہم سا طاری ہے لوگوں پر

کبھی دیکھو
مجسم دیو پھرتے ہیں ہیولوں کے
کہ جن کے سامنے اس شہر کے تعمیر کردہ برج بھی کچھ
ہیچ دکھتے ہیں
انہیں دیکھا نہیں جاتا
نظر بھی ایک حد پر جا کے واپس لوٹ آتی ہے
یہ سائے رنگ بھی تبدیل کر لیتے ہیں پل بھر میں

مکمل آگ کی صورت یہ جلتے اور جلاتے ہیں
اور ان کے سرخ شعلے تو
ہر اک صورت میں گویا اژدھے معلوم پڑتے ہیں
کبھی یہ راکھ بن جاتے ہیں جل جل کر
مگر یہ تو سنہرا روپ ہے ان کا
کہ ان میں وہ پرندا
جو روایت کا امیں ہے، پیدا ہوتا ہے

مگر یہ بات انساں کی معمہ ہے
کہاں آغاز تھا اس کا
کہاں انجام ہونا ہے
اسی سے آگ اور مٹی کا سارا کھیل جاری ہے
خراب اس کی ہوئی مٹی تو اس میں دوش کس کا ہے
پرانی ہوگئی ہے
ہیروشیما، ناگاساکی ایسے شہروں کی تباہی بھی

نہیں ہوگا کوئی ماتم کناں اب کے

یہ انساں ہے
یہ خود ہی کھینچ لائے گا
سوا نیزے پہ سورج کو

یہ اپنی خواہشوں کے سائے ہیں سارے
جو جناتی ہیولوں کی طرح
اٹھے ہیں ہر جانب
مگر ہم مر نہیں سکتے
کہ ان کا بوجھ جسموں پر نہیں پڑتا
مشینوں نے ہماری آرزوؤں، چاہتوں
اور خواہشوں کی اب کے
ہیئت ہی بدل ڈالی ہے لمحوں میں
شب و روز ایک ہنگامہ ہے سڑکوں پر

کوئی کیا چاہتا ہے
کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا
مگر پھر بھی
مگر پھر بھی
کبھی جو تو نے دیکھا ہو
بہت آگے مشینوں سے
ہواؤں کو مسخر بھی کیا ہے ذہنِ انساں نے
ہوا کو پر لگا ڈالے ہیں اس نے
(زور پر اپنے تخیل کے)
اسی نے تو
کیا ہے بند کوزے میں سمندر کو
اور اپنے ہاتھ پر سرسوں جمائی ہے
اسیر اس نے کیا ہے
آگ برساتے ہوئے سورج کی گرمی کو

کبھی چندا کی ٹھنڈک کو
جلایا ہے ہوا کے دوش پر اس نے چراغوں کو
اسی نے ہی اٹھایا آسماں سر پر
زمیں کے بے سکت ذروں کی طاقت بھی

اسے چکر نہ دے پائی
ستاروں کی یہ گردش بھی
اسی نے کائناتوں کو
نئے اسرار بخشے ہیں
یہ تاریخی حوالے سب
بہت بے معنی لگتے ہیں
جو ظاہر ہے چھپے گا کیا؟
کہ اب تو ساری دنیا نے
یہ دیکھا ہے
کہ اس کا استعارا چاند

جو محبوب تھا اس کا
اب اس کی دسترس میں ہے

اس انساں نے
شبِ دیجور میں بھی روشنی کی مانگ بھر دی ہے
اس انساں نے
کئی اک اور مشکل کام کرنے ہیں ابھی اس کو
(اسے آندھی کی زد سے
فاختہ کے گھونسلے کو بھی بچانا ہے)

کسے یہ بھول سکتا ہے
کہ ہم محدود رہتے تھے کسی اندھے کنویں کی بند دنیا میں
ہمیں تو یاد ہے اب تک
ہماری سوچ کی جب انتہا اک چاند ٹھہرا تھا
کسے معلوم تھا اتنا

یہ سیّارا ہماری ابتدا ہوگا
چمکتا آ رہا ہے یہ جو صدیوں سے بہت اونچا
اتر آئے گا پیشانی پہ انساں کی
سروں پر جو دمکتا ہے
قدم بوسی کو آئے گا زمیں پر بھی

یہاں سے اس کو اپنی
انتہاؤں کی خبر بھی تو لگانا ہے
یہی اک مرحلہ اس بات کی تصدیق کرتا ہے
یہ انساں ہے، نہیں معلوم کچھ اس کو
کئی صدیوں کے بعد اس نے یہ جانا ہے
کہ چندا ٹوٹ سکتا ہے
بکھر سکتا ہے سب کچھ پل جھپکتے ہی
یہ شیرازۂ عالم تو
کسی مرکز سے جڑ کر

قائم و دائم نظر آتا ہے آنکھوں کو
یہ حسن و عاشقی کیا ہے
محبت اور نفرت کیا
سبھی جذبے
دھنک کے رنگ
جو آنکھوں پہ ٹھہرے ہیں
سبھی وہ ذائقے جو
اس زباں پر
لذتِ احساس چپکائیں
مہک جو مشکِ نافہ سے بھی بڑھ کر دل کو فرحت دے
ترنم بھی بہاروں کا، سماعت میں جو رس گھولے
وہی اک لمس ہاتھوں کا
حرارت دے جو جسموں کو
وہی آنسو جو اُمڈیں تو

بجھا ڈالیں لہو شعلہ
یہ سب کچھ دل کے تابع ہے
مگر اس دل سے باہر بھی تو موسم ہیں
بہاریں ہیں خزائیں ہیں
یہ گرمی اور سردی کی ہوائیں ہیں
اور ان کے اردگرد ان کا اثر بھی ہے
یہ کاروبارِ ہستی سب
اور اس سے ماورا جتنے ستارے ہیں
جو اپنی اپنی وسعت میں
کھڑے ہیں ششدر و حیراں
انہیں ثابت جو رکھا ہے تو اک شے نے
جسے ان کی کشش کہہ لیں
(وگرنہ تو پہاڑ اڑ جائیں روئی کی طرح پل میں)
کوئی طاقت تو ہے جس کو

سبھی کی مرکزیت جان سکتے ہیں
وہی طاقت کہ جس نے نوعِ انساں کو
کشش بخشی
وہی طاقت کہ جس کے اذن سے جاگا
سویرا معجزہ بن کر
اس انگشتِ شہادت پر

مگر ہم دوسری جانب سفر پر ہیں
ہماری منزلیں تو دور ہوتی جاتی ہیں پل پل
اڑان اس خاک کی شاید زمیں کی سمت ہے پھر سے
یہی وہ خاک ہے جس کو گرایا آسمانوں نے
یہی وہ خاک ہے جو اصل کی جانب پلٹتی ہے
تو اڑتی ہے
جو اڑتی ہے تو گرتی ہے
زمیں کی سمت

آخر کو
ہمیں اب سوچنا ہوگا
(ردائے نیلگوں) اوڑھے
اسے محسوس کرنے تک

سمندر اور کنارے

تم بہاروں کی طرح پھول کھلاتے آئے
تم چناروں کی طرح آگ لگاتے آئے
تم سمندر کی طرح ہم کو ڈبو ہی دیتے
ہم کناروں کی طرح خود کو بچاتے آئے